

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

۵۰۰	بار اول
۵، نومبر ۱۹۷۶ء	تاریخ اشاعت و سنہ
محمد عارف الدین	کتابت
غوث محمد	سرورق
عظمت عبد القیوم (نائب صدر محفل خواتین)	ترغین کار
نیشنل فائین پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد ۲	طباعت
انتخاب پریس جواہر لال نہرو روڈ، حیدرآباد ۱	ٹائپل پرنٹنگ
تین روپیہ	قیمت مجلہ
محفل خواتین	ناشر

ملنے کا پتہ :-

- ★ ۹۶۰-۳-۸ - خیابان، امیر پٹھ، حیدرآباد
- ★ نیشنل بک ڈپو - چارکمان، حیدرآباد
- ★ الیاس ٹریڈرس، شاہ علی بندہ - حیدرآباد
- مصنف :- ۶۰۰/۷-۹-۱۷ عقب گورنمنٹ جونیئر کالج، چنچل گورہ۔
- چھاؤنی ناد علی بیگ، حیدرآباد

انتساب

میرے شوھر شیخ عبدالقادر صاحب (مرحوم)

اور دونوں بچوں

اکبر و عفت کے نام

نربید، تحسین

ترتیب

حرفِ اول عظمتِ عبد القیوم نائبِ صدرِ محفلِ خواتین ۶
کچھ اپنے بارے میں زبیدہ تحسین ۷
منظومات :-

۱۱	۱۰	۱۱	حمد
۱۶	۱۲	زندگی جہدِ مسلسل ہی سہی	۱۲	کوئی کہہ دے یہ پردہ سی صنم
۲۲	۲۰	مزل گم گشتہ	۲۰	چمن کو دیکھ کے
۲۵	۲۳	حاصلِ مدعا	۲۳	ایک شام
	۲۶	کہاں ہم تم	۲۶	عظمتِ دکن
		•		غزلیات :-

۲۹	۲۸	دہی روز و شب	۲۸	چاندنی کے چہرے
۳۱	۳۰	دل و نظر میں	۳۰	ہم فرطِ خوشی میں
۳۳	۳۲	معصوم تمناؤں	۳۲	اک نیارنگ
۳۵	۳۴	وہی بجلیوں	۳۴	گہری ہو جاے
۳۷	۳۶	وقت کی ٹھنڈی ہوا	۳۶	گلشن میں اک
۳۹	۳۸	ساحل سے	۳۸	نہ شراب ہوں
۴۱	۴۰	زخمِ دل	۴۰	اضطرابِ دل
۴۳	۴۲	کس دل سے	۴۲	کیا ستائے گا
۴۵	۴۴	نگاہوں میں خوشی	۴۴	چراغِ آرزو
۴۷	۴۶	مرنے کا مجھے غم ہے	۴۶	کس کی ہوتی ہیں
۴۹	۴۸	فروغِ روشنی	۴۸	اندھروں سے

- ۵۱ مین کرتی پھر رہی ہیں
۵۲ مری رہ نور دیوں نے
۵۳ بجھتی نہیں
۵۴ ابھی تک زندگی
۵۵ سنتے تھے ہم کہ
۵۶ موسم ہے سازگار
۵۷ نظر میں منزلیں ہیں
۵۸ کائنات حسن میں
۵۹ دہراؤ نہ آنکھوں سے
۶۰ ایک احساس جواں
۶۱ زندگی مٹی رہی ہے
۶۲ ابھی ہوتی ہوں
۶۳ باز آؤ نا
۶۴ ہوس گل نہ رہے
۶۵ ہر عشق کے حصہ میں
۶۶ تیرا نیا ز عشق
۶۷ کون ہے جس نے
۶۸ گلوں کی بزم میں
۶۹ اس گردشِ دوراں میں
۷۰ تم کیسو کی طرح
۷۱ ہر جور ناروا کے
۷۲ غموں نے چھین لی
۷۳ وہ ہوس پرستی ہے
۷۴ چاندنی رات ہے
۷۵ آہ جیسے دل کے
۷۶ کچھ اس طرح خیال
۷۷ جلوے ترے ہوں
۷۸ ہر شمع بجھائی ہے
۷۹ ہم نے سوچا تھا
۸۰ کتنی خاموش ہے
۸۱ کون ہے اپنا
۸۲ ہوتی رہی ہے
۸۳ زندگی ساحل پہ
۸۴ دل میں آ بیٹے ہو
۸۵ کون ہے اپنا
۸۶ چراغ دل کے اب
۸۷ کسی بستی کے
۸۸ ہر روز ہم پہ
۸۹ مرنے کا مجھے غم
۹۰ چو نکے نہ تھے
۹۱ بہتے رہے آنکھوں سے
۹۲

ہر انسان کے حصے میں غم بھی ہوتے ہیں اور خوشیاں بھی۔ میرے ساتھ
بھی یہی کچھ ہوا۔ جہاں میں نے خوشیوں کو ٹوٹ کر گلے لگایا وہیں غموں سے
بھی آنکھیں ملانی ہیں کیونکہ ع

تحسین بغیر غم کے خوشی کا مراں نہ تھی
میں نے اردو شاعری کی پسندیدہ صنف، غزل کے علاوہ نظمیں، رباعیات
اور قطعات بھی کہے ہیں۔

محترم ڈاکٹر زور (مرحوم) نے میرا مجموعہ کلام ۱۹۵۶ء ہی میں ادارہ
ادبیات لاہور کی جانب سے شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، لیکن
میرے تغافل کی وجہ اشاعت سے رہ گیا۔

اس مجموعہ کلام کی اشاعت کے لیے سب سے پہلے میں "محفل خواتین"
کی صدر محترمہ روڈ امستری کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ ان کے عہدہ صدارت میں
میرا مجموعہ کلام شائع ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی میں "محفل خواتین" کی سرگرم عمل
و روح رواں نائب صدر محترمہ عظمت عبد القیوم صاحبہ کی خاص طور پر شکر گزار
و ممنون ہوں کہ انھوں نے میرے ادبی و شعری تخلیقات کو یکجا کیا۔ اور اس
مجموعہ کی صورت گری و اشاعت کے لیے شخصی دلچسپی لی۔
جناب صلاح الدین نیر کے تعاون کے لیے بھی میں شکر گزار ہوں۔

زبیدہ تحسین

17-9-600/7

عقب چنچلی گورہ جونیر کالج
چھاؤنی ناد علی بیگ، حیدر آباد۔ (اے۔ پی)



نیرہ کھسار

[مَنْظُومَاتُ]

حَمْد

کہیں آدم کی عظمت کو نئی پرواز دی تو نے
کہیں آئینِ فطرت کو کلیدِ راز دی تو نے

کبھی خاموشیوں کو تو نے سکھلایا بیاں ہونا
شکستہ دل کے تاروں کو صدائے ساز دی تو نے

جہاں شعلوں کی ہستی کو ردائے شبِ نیمی بخشی
وہیں دار و رسن کو ہمتِ جانباز دی تو نے

بنایا لالہ و گل کو ادھر ہمراز گلشن کا
ادھر کانٹوں کی فطرت کو اداائے راز دی تو نے

جوشب کے آستانے پر ملے ہیں رازِ سرِ بستہ
سحر کے جشنِ فطرت کو اداائے باز دی تو نے

جنوں کو فوقیت بخشی خرد کی رہگذاروں میں
حریفِ غم کو جیسے قوتِ اعجاز دی تو نے

زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی

زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی
 شام اور صبح کی بے کیف حسین راہوں پر
 قافلے آس کے بڑھتے ہی رہے
 ظلم کے سائے میں اور جبر کے انگاروں پر
 ایک بھٹکے ہوئے راہی کی طرح
 زندگی ٹھوکریں کھا کھا کے رہی گرم سفر
 ذہنِ معصوم جلاتا ہی رہا
 اپنے ارمانوں تیناؤں کے بے رنگ چراغ
 لیکن اسے دوست ابھی
 زندگی پانہ سکی چاند ستاروں کی ضیاء
 ظلم کی آگ سہی قہر کی شدت ہی سہی
 جبر اور ظلم کی مسموم فضاؤں کی قسم
 اسے مرے جذبِ جنوں
 زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی

حسرت و یاس میں ڈوبے ہوئے معصوم عوام
ساز احساس کے نازک سے حسیں تاروں پر
بھوک کے گیت سناتے ہی رہے

شدتِ درد سے روتے ہی رہے
پھر بھی یہ آہ و بکا رنج و الم
دولت و حسن کے احساس کو گرا نہ سکے
کھیتیاں لٹتی رہیں محنتیں بکتی رہیں
بھوک کی آگ جلی

اور جلی اور جلی
زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی

سالہا سال سے کچلے ہوئے معصوم عوام
ڈال ہی دیں گے ستاروں پہ مکند
بسترِ مرگ سے اٹھا ٹھہ کے لہو روتے کہاں
آج دھرتی کے ہر اک گوشے میں

پرچم امن و محبت کو وہ لہرا دیں گے
 اور پھر زیست کی ان نقروی افسانوں میں
 بے بسی سایہ فگن اب نہ رہے گی اے دوست
 ظلم اور جبر کی اب رات ڈھیلی جاتی ہے
 دیکھو وہ صبح کی دیوی کی نرالی سچ دھج
 زیست کی شورشِ پیہم کا پتہ دیتی ہے
 پھر بھی اے جذبِ جنوں
 زندگی جہدِ مسلسل ہی رہی
 زندگی جہدِ مسلسل ہی رہے گی ہر دم

کوئی کہہ دے یہ پر دیسی صنم سے

کوئی کہہ دے یہ پر دیسی صنم سے
نہ آئیں گر کوئی موسم نہ آئے

نہ پنگھٹ پر کنواری کوئی آئے
نہ بنسی کی صدا دل کو لبھائے

نہ چھلکے مستی آنکھوں سے کسی کی
نہ گوری کوئی گھونٹ میں لجائے

رکن چوڑے نہ سورج کی زمیں کو
دھنک کیوں آسماں پر مسکرائے

جنوں پرور ہوائیں بھی نہ آئیں
پیپہا بھی کوئی بن میں نہ گائے

کبھی کھیتوں میں برسوں بھی نہ پھولے
 نہ شب میں چاندنی بھی گنگنائے
 نہ بدرا آئے وہ بیری کہیں سے
 بہاروں کا سندلیہ بھی نہ لائے
 نہ آموں پر سکھی کوئل ہی بولے
 منڈیروں پر کوئی کاگانہ گائے
 نہ ہی راوٹھا نہ ہی کرشن مراری
 نہ شاہا اور نہ ہی ممتاز آئے
 کوئی کہہ دے یہ پردیسی صنم سے
 نہ آئیں گر کوئی موسم نہ آئے

منزلِ گم گشتہ

یہیں پیٹروں کے سائے میں مرا بھی آشیانہ تھا
 اسی بستی کی راہوں میں مرا بھی آنا جانا تھا
 یہاں کا ذرہ ذرہ آشنائے رازِ فطرت تھا
 یہاں کا لمحہ لمحہ میری افتادِ طبیعت تھا
 یہاں تنہائوں میں بھی مری محفلِ سگفتی سمجھتی تھی
 یہاں پر زندگی میری نئی کر وٹ بدلتی تھی
 مری صبحِ تمنّا روزیوں ہی سُکراتی تھی
 مری شامِ الم میرے لیے آنسو بہاتی تھی
 یہیں سے ابتدائے زندگی کی بات نکلی تھی
 یہیں سے انتہائے زندگی تک بات پہنچی تھی
 انھیں پگڈنڈیوں پر آ کے میں اکثر پکھرتی تھی
 اسی پٹری پہ جب بے ساختہ گاڑی گزرتی تھی

غم ہستی سے گھبرا کر یہاں میں آ نکلتی تھی
 انہی راہوں میں تنہا زندگی کے ساتھ چلتی تھی
 یہاں قربت تھی ویرانوں سے کھیتوں سے رفا تھی
 یہاں کی لہلہاتی کھیتوں سے مجھ کو رغبت تھی
 سکوں پر درنظاروں کو مری آنکھیں بھگوتی تھیں
 مری بے چینیاں آ کر یہاں آسودہ ہوتی تھیں
 مجھے کیا کیا طاقت کے ان رنگیں نظاروں سے
 مجھے کیا کیا طائرنگیں پھولوں کی بہاروں سے
 یہیں پر بے تر بانی کو ملی اکثر زباں میری
 یہیں پر سبزہ زاروں نے سنی ہے داستاں میری
 مسلسل میری پلکوں پر کئی آنسو ٹھہرتے تھے
 مرنی بربادیوں پر خار و خس افسوس کرتے تھے
 یہیں خورشید کی ذرہ نوازی میں نے دیکھی ہے
 یہیں پر چاندنی کی سرفرازی میں نے دیکھی ہے
 اسی مٹی پہ نام اپنا میں لکھ لکھ کر مٹاتی تھی
 اسی مٹی پہ شاید اک نئی دنیا بساتی تھی

یہیں افکارِ تازہ ذہن میں گروٹ بدلتے تھے
یہیں لغھے مرے ہونٹوں پہ آکر مچلتے تھے

یہیں رنج و الم کی آگ کو میں نے بجھایا ہے
یہیں میں نے دلِ خاموش کو پہروں منایا ہے

مزمہ پھولوں کا ملتا تھا مجھے ان سبزہ زاروں میں
نہیں ہوتی تھی افسردہ جنوں کی رہ گزاروں میں

بہاروں میں خزا ئیں ہی تھیں جو پیغام لاتی تھیں
کئی سوغاتیں دردِ دل کی میرے نام لاتی تھیں

یہاں کی چاندنی راتیں مرے دل کو جلاتی تھیں
عجب انداز سے یہ رازِ فطرت کے بتاتی تھیں

سوالی بن کے میں ہر ایک خطے میں بھٹکتی تھی
مری تنہائی گلشن کے ہر اک گوشے میں بٹتی تھی

یہاں پر بے بسی کا کچھ فزوں احساس ہوتا تھا
مجھے تنہائیوں کا پھر بھی کتنا پاس ہوتا تھا

مہک پھولوں کی ہوتی تھی یہاں کے خارزاروں میں
عجب خوشبو سی ملتی تھی یہاں تازہ بہاروں میں

یہیں آموں کا بچپن کونوں کی کوک ہوتی تھی
میرے دکھتے ہوئے دل میں بلا کی ہوک ہوتی تھی

گرائے تھے یہیں پیڑوں نے کچی کیریاں مجھ پر
گرائی تھیں یہیں شاخوں نے گدیری املیاں مجھ پر

یہیں رادھا یہیں سیتا، زلیخا اور مریم کے
ہزاروں روپ ہوتے تھے مرے آگے مرے غم کے

یہیں عبرت سے دیکھا تھا سماں گور غریباں کا
یہیں دیکھا تھا میں نے سلسلہ شہرِ خوشاں کا

مجھے لگتا ہے جیسے ان نظاروں نے صدا دی تھی
مجھے روتا ہوا دیکھا تو ہنسنے کی دعا دی تھی

یہیں الھڑ ہواؤں نے مری زلفوں کو چھڑا تھا
امنڈتے بادلوں نے بھی مجھے آ آ کے گھرا تھا

یہیں برگد کے پیڑوں نے ترانے سے سنا تھا
یہیں پیپل نے شبم کے کبھی موتی لٹائے تھے

یہیں کچھ سوچ کر آنکھیں ہمیشہ بھیگ جاتی تھیں
کئی باتیں مجھے بھولی ہوئی سی یاد آتی تھیں

چمن کو دیکھ کر

دیکھنا وہ عشق پیچاں بھی ہے لہرائی ہوئی
 ہر طرف سبز پہ ہے مستی سی اک چھائی ہوئی
 پھول پر شبنم کے قطروں سے ہے موتی کا گماں
 مریں سے حوض میں ہے پیاری پیاری پھلیاں
 نیم وانر گس کا منظر بھی ہے کتنا دل نشیں
 ایک دوشیزہ کی آنکھیں جیسے ہوں کچھ شرمگین
 وہ بڑا سا خوبصورت پھول ہے شاہِ چمن!
 برچھیاں تانے جلو میں خار میں سایہ گلن
 گونج ہے محنوروں کی یا شہنائی ہے بختی کہیں
 بڑھ رہا ہے رُوح کا ذوقِ سماعت آفریں

اک سماں باندھے ہوئے ہیں کالی کالی بدلیاں
 پھول پر جھنورے کہیں ہیں اور کہیں ہیں تسلیاں
 جنتُ الفردوس کی ہیں اس چمن میں جھلکیاں
 دُور ہوتی ہیں یہاں پر زندگی کی تلخیاں
 پھول کچھ غنتے رہے کچھ پھول مرجھاتے رہے
 بے ثباتی پہ وہ تحسین غور فرماتے رہے

حاصلِ مدعا

دشمن ہیں گو کہ غم میں دل آ رہا تھا تری
کشتی کا غم کی پھر بھی سہارا تھی تو ہیں
طوفان کی شہ آشوبوں میں کنارہ یہی تُو ہیں
اپنا مددوا آپ ہیں غم خوار یاں تیرے تھی

حاصل بناؤں غم کا ترے انتظار کو
بے چارہ گی ہے درد ہے حسرت ہے یاں ہے
تیرا جفا دل پر بھی مجھے تیرا پاس ہے
آئے گا یوں قرار دلِ بے قرار کو

میں بزمِ دل میں یاد کی شمعیں جلاؤں نہ
الفت کی زندگی کا فسانہ یہی تو ہے
یاماں حسرتوں کا خزانہ یہی تو ہے
کہتا ہے کون یہ کہ تجھے بھول جاؤں نہ

یوں دل میں حشرِ بن کے سما یا ہوں کہ
کس نے سکون دل کو کیا منتشر مرے
کس نے وفائے لکے کیا دل میں گھر مرے
میرے تخیلات پہ چھایا ہوا ہے کون

میں انتہائے یاس میں بھی مسکراؤں نہ
کیا ہے خوشی نہیں جو مرا غم تو ساتھ ہے
مرنا کسی کی یاد میں قسمت کی بات ہے
ہوں لاکھ غم بھی دل میں نہ میں لب پہ لاؤں نہ

یوں ہر قدم پہ شمعِ تمت پگھل گئی
ہاں کچھ نہ پوچھو حالتِ غم چارہ گر نہ پوچھو
کیفِ گزارِ ولذتِ سمندر آج کچھ نہ پوچھو
غم کیا ملا کہ شوق کی دینا بھل گئی

میں نے سبقِ وفا کا لیا ہے وفا سے آج
حاصل ہے مدعا دلِ بے مدعا سے آج

ایک شام

معصوم سا وہ جذبہٴ دل کا مرے ہنگام
 وہ رنگ میں ڈوبی ہوئی دھندلائی سی اک شام
 وہ جھوم کے اٹھی ہوئی ساون کی گھٹائیں
 ساقی کی نگاہوں کے چھلکتے ہوئے وہ جام
 افسردہ نگاہوں میں کئی دل کے فسانے
 اک آنکھ کی گردش میں کئی نامہ و پیغام
 پھر تجھ کو سرِ راہ صدا دی ہے یہ کس نے
 پھر یاد وہ آنے لگے گزرے ہوئے ایام
 خاموش نواؤں کو ملا اذنِ تکلم !
 گھٹنے لگا اک بار فروغِ غمِ ایام،

جیسے کہ سمٹنے لگے بکھرے ہوئے سینے
 بڑھنے لگا پھر ذوق طلب پرشِ اہنام
 دل جذبِ مسرت کی حرارت سے گرا نبار
 آنکھوں سے عیاں شکوہ بے مہری ایام
 سمجھا تھا کہ ترسی ہوئی شب ہو گئی آخر
 میخانے میں ہر فرد ابھی تک ہے تہی جام
 شب کا ٹی ٹھی تحسین کہ ہوتی ہے سحر اب
 اس صبح سے اچھی تھی وہ اُمید کی ہر شام

کہاں ہو تم !

کئی بھولے فسانے یاد آتے ہیں کہاں ہو تم
 صنوبر کے خشک سائے بلاتے ہیں کہاں ہو تم
 جنوں پر در ہواؤں نے وہی چھڑا ہے پھر نغمہ
 ”شبِ غم کے نظارے دل دکھاتے ہیں کہاں ہو تم“
 مہِ نواب بھی ہنستا ہے فلک پر ماہ پاروں میں
 نہیں آتے مگر تم یاد آتے ہو کہاں ہو تم
 تہیں ذہنوں کی تاریکی میں جب ہم پا نہیں سکتے
 سرِ مرگاں کمی دیکھ جلاتے ہیں کہاں ہو تم
 وہی اٹھ کھیلیاں کرتے ہوئے ظالم نظارے ہیں
 اُسی انداز سے پھر مسکراتے ہیں کہاں ہو تم
 جو لمحے پاسبان تھے دو دلوں کے ایک مدت تک
 وہ لمحے پھر نہیں واپس بلاتے ہیں کہاں ہو تم

یہ انگوروں کے خوشے اور یہ نازک حسیں بیلیں
 لچکتے، لہلہاتے، گنگناتے ہیں کہاں ہو تم
 زمیں کو چوم لیتی ہیں سنہری چاند کی کرنیں
 فلک پر چاند تارے مسکراتے ہیں کہاں ہو تم
 شفق پر شام کا منظر نویدِ شوق دیتا ہے
 کنارے مل کے تحسین مسکراتے ہیں کہاں ہو تم

محترمہ عظمتِ آپا کے لیے !!
 (ان کے خلوص کے اعتراف میں)

عظمتِ دکن

اک اور عظمتِ شیریں بیاں ہیں محفل میں
 حسیں، خلوص کا پیکر ہیں کم سخن ہیں آپ
 غزل سرائی میں ان کو کمال حاصل ہے
 غلط نہیں جو کہوں عظمتِ دکن ہیں آپ

[غزلیات]

چاندنی کے چہرے پر یہ دُھواں دُھواں کیوں ہے
 اب بھی شاہراہوں پر درد کی دکاں کیوں ہے
 روشنی کے ہالے میں رقص ہے جنوں پرور
 یوں اڑا اڑا لیکن رنگِ گلستاں کیوں ہے
 پستی و بلندی کا فرق کیوں نہیں مٹتا
 ایک حدِ فاصل سی اپنے درمیاں کیوں ہے
 ضرب اب بھی لگتی ہے دل کے آبگینوں پر
 زخمِ دل مہکتے ہیں، بے زباں زباں کیوں ہے
 اک مہیب سناٹا ہر قدم ڈراتا ہے
 سامنے نگاہوں کے ریت کا مکاں کیوں ہے
 دھندلے دھندلے اب بھی ہیں ذہن و دل کے آئینے
 ہر نقیبِ صبحِ نو شب کا راز داں کیوں ہے
 دُور دُور چلتا ہے ہم سے اپنا سایہ بھی
 ہم وجودِ تنہا ہیں وہ کشاں کشاں کیوں ہے
 کتنے گلِ قہک اُٹھے یک دلی سے گلشن میں
 پھر ورقِ ورق چیدہ اپنی داستاں کیوں ہے

وہی روز و شب کا افسوں وہی رات کی سیاہی
 نہ نقیبِ صبح نو تو نہ تو نور ہے نہ ناری
 نہ فریبِ زخم خوردہ، نہ خیالِ صبح گاہی
 کہیں تو نے جیت لی بھی وہیں ہار دی ہے بازی
 ترا دعویٰ محبت ترا جذبِ جاں نثاری
 مرے واسطے نہیں یہ کوئی جذبِ سرفرازی
 کہیں منزلوں کا جویا کہیں صرف عشق سازی
 کہ رہیں عاشقی میں نہیں خوئے دل نوازی
 کہاں کوہ کن نے جانا کہاں قیس نے پکارا
 میں ہوں سجدہ محبت میں ہوں عشق کا نمازی
 نہ یہ دعویٰ محبت کرے کوہ کن کو رسوا
 نہ غرور کی حدوں کو کہیں چھوئے بے نیازی
 مجھے جامِ جم سے نسبت نہ ہی نسبت بسکندر
 میں ہوں باز گشتِ تحسین نہ ہی حافظِ شیرازی

ہم فرطِ خوشی میں ہنستے ہیں پر تشنہ لبی یہ کہتی ہے
آنکھوں سے جو نکلیں آنسو بھی تکمیلِ مسرت ہوتی ہے

گر جان کی بازی لگ جائے کیا چیز ہے اہلِ دل کے لیے
اللہ رے یہ ہے طرزِ وفا کس درجہ نزاکت ہوتی ہے

گو لاکھ کرے تاویل کوئی اپنا تو یہ ایماں ہے ہمد،
جس پیار میں شامل ہو جو ہوس اس پیار سے نفرت ہوتی ہے

وہ دل ہے حریمِ نازِ دل جو دل کو تڑپ کر تڑپا دے
اس درد میں حدت ہوتی ہے اس درد میں لذت ہوتی ہے

دامن نہ بچا تو گلشن میں کانٹوں سے تکلف کیا معنی
گر پھول سے رغبت ہو تجھ کو کیا غار سے نفرت ہوتی ہے

وہ شیشہ حیراں ہو تمہیں خود شیشہ کو جس پر رشک آئے
کچھ اور رہیں جلوہ ہو آئینے کو حسرت ہوتی ہے

دل و نظر میں رہے تم بہ اہتمام رہے
 سحر کا نور رہے ہو چراغِ شام رہے
 بنا بنا کے بگاڑی ہیں چند تصویریں
 خیالِ خام کے خاکے خیالِ خام رہے
 سکوں ملا ہی نہیں دل کو ویسے اک لمحہ
 سکوں سے گزرے جو لمحے تمہارے نام رہے
 گھٹے گھٹے سے وہ آنسو دبی دبی آہیں،
 نہ جانے کس طرح راتوں کا اہتمام رہے
 رہا وہ قیس کا قصہ کہ کوہکن کی بات
 خلوصِ دل کے فسانے بہت ہی عام رہے
 جنوں کی بات کہی ہم نے یا خرد کی کہی !
 وہ دو گھڑی جو کبھی ہم سے ہمکلام رہے
 نشاطِ کیف کی گھڑیاں کہاں رہیں تحسین
 غمِ حیات کے لمحے مگر دوام رہے

اک نیا رنگ نیا دور ہے میخانوں میں
 انقلابات کی تصویر ہے پیمانوں میں
 نور بھی نار بھی ہے قلب کے ارمانوں میں
 سوز بھی ساز بھی ہے شوق کے افسانوں میں
 زندگی زہر دیا تو نے کئی بار مگر !
 ہوش پھر بھی ہے سلامت تیرے دیوانوں میں
 ڈھل گئی رات وہ آیا ہے اُجالے کا سفر
 آگ لگ جائے گی اب ظلم کے ایوانوں میں
 بحر ہستی میں کبھی شورِ طلاطم سے نہ ڈر
 موتیاں ملتی ہیں بہکے ہوئے طوفانوں میں

معصوم تمناؤں کی خاطر شکنی ہے
ہر عشق کے حصّے میں ابھی تیشہ زنی ہے

جو کلی تھی یہاں رسمِ جفا اب بھی وہی ہے
ہر اہلِ وفا قابلِ گردن زدنی ہے
زاہد نے ادھر چھین لی گرفتار کی طاقت
عالم کی نظر قاتلِ دل گیر بنی ہے

فطرت کا تقاضہ ہے مصائب سے نہ گھبرا
مانا کہ خوشی اور الم میں بھی ٹھنی ہے

کیا چیز یہ اندیشہ فردا ہے اے تحسین
رہبر کی ہر ایک چال میں گراہ زنی ہے

گہری ہو جائے نہ یہ آپ کے ماتھے کی شکن
 میرا کیا ہے مجھے کچھ دیر تڑپ لینے دو
 آپ کی چارہ گری موجب تسکین ہوگی
 دل کے زخموں کو ذرا، اور ہوا دینے دو
 جھوٹی عزت کی قسم لفظ شرافت کی قسم
 ہر اک الزام مجھے اپنے ہی سر لینے دو
 خواہشِ مرگ ہوئی جاتی ہے تو ہیں حیات
 ظلم کی چھاؤں میں کچھ دیر ٹھہر لینے دو
 خون روتی ہوں سمجھتی ہوں بھرم کی قیمت
 زندگی خارِ بداماں ہے ابھی جینے دو
 کوئی قیمت نہ سہی اشکِ رواں کی تحسین
 انھیں آنچل میں مرے جذب تو ہو لینے دو

وہی بچلیوں کی چشک وہی تیرا آشیانہ
کہ ادھورا رہ نہ جائے کہیں زلیست کا فسانہ

وہی میری درد مندی وہی تیری بے نیازی
نہ یہ راہ و رسم بد لیں جو بدل گیا زمانہ
نہ وہ شام کا ترانہ نہ وہ لطفِ صبح کا ہی،
وہی راہِ رہ نور دی، وہی زلیست کا فسانہ

مرا راز لفظِ کن میں، تیری ذات ہے ابد تک
تری بات ہے حقیقت، میری زندگی فسانہ

ہے ازل سے تو ابد تک نہ سمجھ سکے گا کوئی
ترا حسنِ غائبانہ، مرا عشقِ غائبانہ

گلشن میں ابھی جشن کا ہنگام نہیں ہے
 گردش میں ابھی گردشِ ایام نہیں ہے
 چھینکی تو ہیں ہم نے بھی ستاروں پر گندیں
 پرواز ابھی اپنی لبِ بام نہیں ہے
 ہر گوشہ چمن کا مجھے مقتلِ سالِ گاہ ہے
 ڈھونڈے سے بھی قاتل کا کہیں نام نہیں ہے
 کلیوں کے لبوں پر ابھی پھیکا ہے تبسم
 پھولوں میں ابھی نامہ و پیغام نہیں ہے
 ہے تیز بہت قافلہ صبح بہاراں
 آغاز تو ہر چیز کا، انجام نہیں ہے

وقت کی ٹھٹھری ہوئی نبض رواں ہو جائے
 تیری زمبیل میں وہ رطلِ گراں ہے اے دوست
 رات گزری ہے مگر رات کے سائے ہیں وہی
 ہر قدم آج بھی بے نام و نشان ہے اے دوست
 وقت کے جلتے ہوئے زخم کا مرہم بن جا
 تیری جانب یہ زمانہ نگران ہے اے دوست
 ان مہکتے ہوئے جنت سے خیابانوں میں
 زندگی سوزِ دروں، شعلہ فشاں ہے اے دوست
 دیپ پلکوں پہ جلاتی ہوں سحر کی خاطر!
 میری آنکھوں میں کہاں سیلِ رواں ہے اے دوست

نہ مُراب ہوں نہ یقین ہوں میں ہر ایک طبع پہ بار ہوں
 نہ خزاں کا روپ ہی ہے مرا نہ چمن میں فصل بہار ہوں
 نہ بلندی غم عشق ہوں، نہ میں پستی دل زار ہوں
 میں جہان رنگ و نور میں نہ خرام ہوں نہ قراہ ہوں
 نہ کسی کے دل کی میں آس ہوں نہ کسی نظر کی تلاش ہوں
 نہ سکوتِ بزمِ خیال ہوں نہ فسونِ چشم بہار ہوں
 نہ میں بحرِ غم میں ہوں غوطہ زن نہ میں ساحلوں کی پناہ میں
 ابھی زندگی تری راہ میں نہ میں جیت ہوں نہ میں ہار ہوں
 یہ سحرِ فسرہ چمن چمن یہ دل و نظر میں تھکن تھکن
 نہ میں پستی غم دہر ہوں نہ ہی میں بلندی دار ہوں

ساحل سے طبیعت گہرائی موجوں میں سفینہ چھوڑ دیا
 جینے کی لگن میں ہم ہی نے جینے کا قرینہ چھوڑ دیا
 دامن میں لگائی آگ ادھر اب ان کے کرم کو کیا کہیے
 طوفان کا رخ تھا جس رخ پر کشتی کا ادھر رخ موڑ دیا
 تھے ساتھ اسیرِ فصلِ جنوں، راہوں میں نہ جانے کیا گزری
 کیا کہیے کہ کس نے ساتھ دیا کیا کہیے کہ کس نے چھوڑ دیا
 جینے نہ دیا اپنوں نے ہمیں یوں زور بھی دل پر چل جاتا
 کچھ بات ہی ایسی تھی ہم نے اک شیشہ دل بھی توڑ دیا
 چاہا نہ ہمیں نے ورنہ یہ سب چاند ستارے جھک جاتے
 کچھ وجہ سکونِ دل کے لیے ہم نے وہ سہارا چھوڑ دیا
 نازک تھا بہت گلشن کا چلن نازک تھا بہت آئینِ چمن
 پھولوں کی تنہا ہم نے نہ کی کانٹوں ہی سے رشتہ جوڑ دیا
 رورو کے گزاری شب ویسے جب صبح چمن میں آنکھ کھلی
 احبابِ وطن نے اے تختیں میخانہ یاراں چھوڑ دیا

زخمِ دل اب بھی چٹک جاتے ہیں غنچوں کی طرح
عہدِ ماضی کو تصور نے پکارا تو نہیں

بے خودی میں کبھی اک آہ نکل جاتی ہے
کوئی باقی کہیں اُلفت کا شرارہ تو نہیں

دل کی اجڑی ہوئی دنیا میں بہاریں کیسی
اُس نے اس بزمِ تصور کو سنوارا تو نہیں

بزمِ اُلفت میں ہیں محرومِ تمنا بھی کئی
”ہر سہینے کے مقدر میں کنارہ تو نہیں“

کبھی آنکھوں کو بھی دیدار سے رونق بخشیں
صرف اک یاد ہی جینے کا سہارا تو نہیں

میرے اشکوں کی مسلسل یہ روانی تو بہ !
کہیں جذبات کا بہتا ہوا دھارا تو نہیں

غم کی شدت ہے مگر چہر بھی سکوں در آغوش
کہیں گرداب میں پوشیدہ کنارہ تو نہیں

کبھی آجائیں سیہ خانے میں تحسین اپنے
اک تصور ہی امیدوں کا سہارا تو نہیں

اضطرابِ دل میں بھی مجھ کو سکون ملتا نہیں
 اور سکونِ دل سے بھی جیسے کہ گھبرائی ہوں میں
 راہ سے جھٹکے ہوئے راہی کی طرح بار بار
 بے خودی شوق میں منزل سے بڑھ جاتی ہوں میں
 دشمنِ دل و دشمنِ اہلِ وفا سے آج بھی
 پاسِ دل پاسِ وفا کا عہد کر جاتی ہوں میں
 جوشِ گریہ سے کبھی جوشِ مسرت سے کبھی
 کوئی بہلاتا نہیں ہے اور بہل جاتی ہوں میں
 چوٹ جب لگتی ہے دل پر مسکرا دیتی ہوں میں
 اس دل و حشری کو اکثر یوں بھی بہلاتی ہوں میں
 ضبطِ غم پر آگیا ہے، مجھ کو اتنا اختیار
 پُر سکون ہونے کی شاید پھر قسم کھاتی ہوں میں

کیا ستائے گا خروشِ آرزوئے دل مجھے
 یہ خودی شوق رہنے دے اگر غافل مجھے
 شعلہ بے باک ہوں گردِ رہ منزل نہیں
 کیوں ڈراتا ہے خیالِ دوری منزل مجھے
 دل کو تجدیدِ شکیبائی گوارہ بھی نہیں
 اب کہیں لے چل تو ہی اے اضطرابِ دل مجھے
 اس فریبِ شوق کی حیرت نوازی کے نثار
 بحرِ بے پایاں نظر آتا ہے اب ساحل مجھے
 احتیاطِ ضبطِ گریہ بھی سکوں دشمن ہوئی
 ہر نفس سے آرہی ہے پھر فغانِ دل مجھے
 اب تمنائے خوشی و سرخوشی کا ذکر کیا
 غم نظر آتے ہیں نثارے زیست کا حاصل مجھے
 کیسی منزل کون رہبرِ سب فریبِ شوق ہے
 ہاں یونہی بہلائے جا تو اے فریبِ دل مجھے
 اس جنونِ شوق کی تحسینِ غلط اندیشیاں
 امتیازِ حق و باطل تو نہ تھا مشکل مجھے

کس دل سے تجھ کو چھوڑ دیا شہرِ آرزو
سجدے کئے ہیں ہم نے کبھی تیرے روبرو

نُخوش ہو کے دیکھتے رہے سب زخمِ آرزو
جلتی رہی ہے شمعِ تمنا لہو لہو

ہر بار تجھ سے مل کے رہے اجنبی سے ہم
کچھ اور دُور لے گئی، منزل کی جستجو

غنیچے کھلے ہیں باغ میں کلیاں چٹک گئیں
ہر دور میں ہمیں رہے پھولوں کی آبرو

کشتی بھنور میں ڈال دی اب دل کی خیر ہو
تیرا خیال کیا ہے بتا موجِ تند نو

پھیلی رہیں جنوں کی مرے اور وسعتیں
صحرا نوار دیوں کو ہے طوفاں کی جستجو

آئینہ خیال پہ ہے گردِ وقت کی
اب بھی رہے ہیں سامنے میرے وہ ہو بہو

کہلائے پھر بھی منکرِ رسم و رواج ہم
ہر طوقِ زندگی کو کیا حلقہ کھلو

بے مہرئی حیات کی تلخایاں نہ پوچھ
پیا سی گھڑی ہے دیر سے تحسینِ لب جو

نگاہوں میں خوشی کی کیا کوئی تنویر بھی دیکھی
 فقط یوں ہی فسرہ سی کوئی تحریر ہی دیکھی
 مسرت کانگا ہوں میں کوئی طوفاں نہیں دیکھا
 جو دیکھی آپ نے پھوٹی ہوئی تقدیر ہی دیکھی
 نہیں احساس شاید کچھ تہیں میری وفاؤں کا
 کہ دیکھی جب کبھی تم نے فقط تقصیر ہی دیکھی
 بقدر غم، خوشی بھی دیکھ لیتے میری آنکھوں میں
 مصوّر کو نہ دیکھا اور فقط تصویر ہی دیکھی
 وہ دن بھی یاد ہیں جب دل تڑپ کر زیرِ دام آیا
 اسیرِ عشق نے کشتی ہوئی زنجیر بھی دیکھی
 ڈبوئی زیست کی کشتی کرم نے نا خداؤں کے
 وفا کی پائٹائی شوق کی تحقیر بھی دیکھی !
 طلوعِ صبحِ خنداں اور وداعِ شامِ غم دیکھا
 جو تحسینِ خواب دیکھا تھا وہی تعبیر بھی دیکھی

کس کی ہوتی ہیں مُنتظر آنکھیں
کس کی تھکتی ہیں رہگذر آنکھیں

ظلمتِ شب میں روز جلتی ہیں
جیسے قندیل سر بسر آنکھیں

نیند راتوں کی دن کا صبر و سکون
لوٹ لیتی ہیں فتنہ گر آنکھیں

خشک گر ہو گئیں تو ساحل ہیں
ہوں جو پرِ نغم تو بحر و بر آنکھیں

کتنے جذبوں کی ترجماں ہیں یہ
ہیں محبت میں نامہ بر آنکھیں

خوب کہتے ہیں لوگ آنکھوں کو
ہم نے دیکھی ہیں خوب تر آنکھیں

دفعاً آن گئیں خیالوں میں
من گئیں تحسین چارہ گر آنکھیں

مرنے کا مجھے غم ہے نہ جینے کی خوشی ہے
 یہ زندگی کس موڑ پہ اب آ کے رکی ہے
 اک فرق سا دامن میں گریباں میں ابھی ہے
 شاید کہ ابھی جذبِ محبت میں کمی ہے
 کیفیتِ شعلہ بھی ہے تبسم بھی ہے دل میں
 ہونٹوں پہ تبسم ہے نہ آنکھوں میں نمی ہے
 آباد ہے اک درد کی دُنیا مرے دل میں
 کھلتا نہیں کب اور کہاں چوٹ لگی ہے
 اک شخص کہ برسوں کا شناسا جو رہا ہے
 اس شخص کی ہر بات ابھی تک بھی نئی ہے
 دیوانے کا تم نے جو مجھے نام دیا ہے!
 اس نام سے دُنیا مجھے پہچان رہی ہے
 وہ نقشِ وفا ہم سے مٹائے نہیں جاتے
 آئینہ اور اک پہ کچھ گرد جھی ہے
 موسم ہے بہاروں کا مگر جشنِ خزاں ہے
 چلتے ہیں ابھی قلب و نظر آگ لگی ہے

اندھیروں سے اُجالے جگمگائے
بہت رو رو کے ہم بھی مسکرائے

چراغِ زندگی تک کانپ جائے
کوئی اتنا نہ اب دل کو دکھائے

خطائیں بھی تو جزوِ زندگی ہیں
کہاں تک کوئی دامن کو بچائے

تلاشِ سرخوشی میں ہم چلے تھے
گھنیرے ہو گئے ہیں غم کے سائے

نبھایا تم نے یوں عہدِ وفا کو
کبھی دُوری کبھی تم پاس آئے

کوئی گلشنِ کوئی بستی کہ صحرا
نظارے کب ہمیں یہ راس آئے

زمانے کی نگاہوں سے بچا کر
تمہارے درد کی سوغات لائے

تصوّر نے کہاں پہنچا دیا ہے
ہزاروں روپ میں تم یاد آئے

سلامت و شستِ پیمائی اے تحسین
کوئی ہنس ہنس کے پھر تم کو بلائے

فروغِ روشنی شمعِ انجمن میں آپ
 بہاریں جس پہ ہوں قربان وہ چمن میں آپ
 مرے خیال کی پہنائیاں تھک اٹھیں
 گلاب کہیے کہ نسریں و نستر میں آپ
 ہماری بزم کو ہم میکہ بھی کہتے ہیں!
 ہمارے بادہ و ساغر میں موجزن ہیں آپ
 گدازِ صندلی باہیں مہکتے عارض و لب
 ہزاروں شوخ حسینوں کا بانگین میں آپ
 گھٹائیں زلفوں کو، آنکھوں کو میکہ کہیے
 لچکتی شاخِ صنوبر میں گلبدن میں آپ
 کبھی حیات کی گرمی کبھی نظر کا ثبات
 نئے سبو میں کہیں بادہ کہن میں آپ
 گلوں کو ناز ہے گلشن میں پیشوائی پر
 ہر ایک پھول کھلا ہے کہ خندوزن میں آپ

اب وہ دن بھی نہ وہ راتیں نہ وہ حالات اپنے
 زندگی لگتی ہے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی طرح
 کوئی تفریق نہیں برقی ہے، گلشن میں کبھی
 ہم نے کانٹوں کو بھی چاہا ہے گلابوں کی طرح
 اس طرح اُجڑے ہیں آباد خرابے میں ندیم
 ہے گماں خود پہ کہ ہیں خانہ خرابوں کی طرح
 زندگی چھول سہی فتنہ دوراں کی قسم
 زیست کی سطح پہ ٹوٹے ہیں حسابوں کی طرح
 تم تصور کے تراشے ہوئے پیکر ہو وہی
 جس کو ہر رنگ میں دیکھا ہے سراپوں کی طرح
 اُسے دیکھا اُسے سمجھا اُسے برتا تحسین!
 زندگی پھر بھی رہی بسد کتابوں کی طرح

میں کرتی پھر رہی ہے نکہت صبح و وطن
زندگی کو ڈھونڈتی ہے زندگی کی انجمن

کون سی رت تھی سماں کیا تھا خبر مجھ کو نہیں
ایک مدت ہو گئی اُجڑے ہوئے دل کا چین

جس طرح کلیاں چٹکتی ہیں نسیم صبح سے
اس طرح مجھ سے مخاطب ہے کوئی غنیجہ دہن

کل انا الحق کی صدا منصور کی آواز تھی
آج ہر منصور کے حصے میں ہے دار و رسن

شورشِ انوار میں ظلمت کے سائے ہیں ابھی
سونا سونا لگ رہا ہے صبحِ نو کا بانگ بین

قافلے لٹتے تھے کل تک راہزن کے نام سے
راہبر کے روپ میں ہیں اب بھی کتنے راہزن

وہ محبت ہے نہ شیریں ہے نہ جوئے شیر ہے
کیوں عجبِ تحسین پھر سر پھوڑتا ہے تیشہ زن

مری رہ نور دیوں نے کبھی منزلیں نہ پائیں
کبھی زندگی نے مارا کبھی تم نے دل جلایا

غم آرزو سے بڑھ کر کوئی آرزو نہیں ہے
یہی مددائے دل ہے جو نہ ہو سکا پرایا

نہ قرار، زندگی کو نہ قیام، زندگی کو
یہ وہ موج مضطرب ہے جو نہ پاسکی کنار

مری زندگی کو شاید ہے سدا ہی غم سے نسبت
مجھے دُور دور پایا تو یہ پاس پاس آیا

تری انجمن میں ہمدم وہ شہیدِ ناز ہم میں
کبھی کُشتہ محبت کبھی بے عملِ تمنا

یہ چمن چمن بہار میں یہ کلی کلی پہ رنگت
نہ بہار را میں آئی نہ بسنت مجھ کو بھایا

یہ ہے زخمِ دل کا عالم کسے کیا پتا میں تھیں
کہیں تارے جگمگاتے کہیں چاند مُسکرایا

بجھتی نہیں پانی سے اس دل کی لگی ساقی
بیمارِ تمنا کی پھر پیاس بڑھی ساقی

پی پی کے بہکتے ہیں رندوں کے قدم ساقی
کیا ساتھ مرادے گی یہ تشنہ لبی ساقی

ہم دشتِ تمنا میں اس طرح سےٹکے ہیں
ہر کام پہ ہوتی ہے توہینِ خودی ساقی

گلشن میں بہاروں نے سو طرح دہائی دی
اب تک ہے مراد امن پھولوں سے تہی ساقی

آیا نہ ہنر ہم کو تزیینِ گلستاں کا
پتھر سے بھی ہوتی ہے آئینہ گری ساقی

پھولوں کی تمنا میں کانٹوں سے نبھائی تھی
پھر بھی رہی حصّہ میں درِ یوزہ گری ساقی

کتنوں نے ادھر دیکھا کتنوں نے ادھر دیکھا
تم نے بھری محفل میں کیا بات کہی ساقی

راسِ آئی نہ رندی بھی بیمار ہیں ہم مشرب
آشفّہ مزاجوں پر ایسی بھی پڑی ساقی

دل توڑ کے سنتے ہیں تحسین یہ سمجھینگے
اچھی نہیں لگتی ہے بیگانہ وشی ساقی

ابھی تک زندگی وابستہ غم ہوتی جاتی ہے
 شفق پر شام کی جوں زلف برہم ہوتی جاتی ہے
 ہدایا خیر ہو آشفۃ دل غنیوں کی حالت ہے
 چمن میں چشم ز گس دیدہ نم ہوتی جاتی ہے
 خاش دل کی مدوائے غم دل ہوتی جاتی ہے
 نگاہ لطف جیسے لطف پیہم ہوتی جاتی ہے
 فہم شوق کہہ لوں لذت زخم جگر کہہ لوں
 کہ ہر خواہش مرے زخموں کا مرہم ہوتی جاتی ہے
 یہ میرا شوقِ سجدہ ہے کہ ہمد آستاں تیرا
 جبین شوقِ میری کس لیے خم ہوتی جاتی ہے
 دلِ شوریدہ سر یہ کون سا عالم ہے الفت کا
 کہ میری بے بسی ہی میری ہمد ہوتی جاتی ہے
 یہ ہے ویرانیِ دل یا کششِ دردِ محبت کی
 خلش پھر آرزو کی دردِ پیہم ہوتی جاتی ہے

سنّتے تھے ہم کہ زیست غموں ہی کا نام ہے
رازِ حیاتِ غم میں ترے ہم بھی پا گئے

احساسِ قُربِ دل میں ہوا جلوہ آفریں
وہ دُور ہی سے رازِ محبت بتا گئے

ہم نے قدم قدم پہ کیا خونِ آرزو
راہِ وفا میں ہر طرح ہم کام آ گئے

دہرائی جب بھی دل نے محبت کی داستاں
محسوس یوں ہوا کہ پشیمان بنا گئے

آتی ہے ہر نفس سے مجھے بوئے خونِ دل
جاتے ہوئے وہ شمعِ تمنا بجھا گئے

یہ بھی ہے ساوگی تخیل کا اک فریب
یوں جو سمجھ رہے تھے کہ ہم اُن کو پا گئے

اللہ رے کار و بارِ محبت کا اختصار
وہ ایک ہی نگاہ میں اپنا بنا گئے

تحسین چارہ گر کی مسیحائی کے نثار
بیمارِ غم کو ایک نظر میں جلا گئے

موسم ہے سازگار غزل کہہ رہے ہیں ہم
 دل پر ہے اختیار غزل کہہ رہے ہیں ہم
 ذوقِ جنوں مالِ خرد کچھ نہ پوچھئے
 دامن ہے تار تار غزل کہہ رہے ہیں ہم
 اپنی غزل ہے شاید معنی بہار کی
 پروردہ بہار غزل کہہ رہے ہیں ہم
 کہتے ہیں چشمِ نم سے غزل میں ہے زندگی
 شاید ہیں دل نگار غزل کہہ رہے ہیں ہم
 گلشن میں اب بھی دامنِ لالہ ہے داغِ داغ
 ہے زندگی سے پیار غزل کہہ رہے ہیں ہم
 ویسے ہے نظمِ آئینہ نظمِ گلستاں
 پر ہو کے بے قرار غزل کہہ رہے ہیں ہم
 چھڑتی ہے جب بھی اُن کی نگاہِ کرم کی بات
 لگتا ہے بار بار غزل کہہ رہے ہیں ہم
 بزمِ ادب، مقامِ غزل کون جانیئے
 موتی کسی آبِ دار غزل کہہ رہے ہیں ہم
 بزمِ حیاتِ انجمنِ دل نہیں رہی
 تحسین ہے انتشار غزل کہہ رہے ہیں ہم

نظر میں منزلیں ہیں حدِ نقشِ پا ہی نہیں!
 بلائیں اور بھی ہیں میرِ کارواں کے سوا
 نظر کو دو تو سہی اذنِ طاقتِ پرواز
 ہیں آسمانِ زمیں پر بھی آسماں کے سوا
 وہ زندگی نہ لو جو مانگ کر ملے تم کو
 حیاتِ لو جو ملے عمرِ جاوداں کے سوا
 یہ کہہ دو ان سے کوئی دھڑکنیں نہیں گنتا
 خرد کے در پہ جنوں بھی ہے پاسباں کے سوا
 زمانے بھر کی نگاہوں کی کیوں رہوں مرکز
 فسانے اور بھی ہیں میری داستاں کے سوا
 ہمیں تو جہدِ مسلسل سے پیار ہے تحسین
 عبت ہیں دوزخ و جنت بھی اس جہاں کے سوا

کائناتِ حسن میں اک برہمی پاتی ہوں میں
 زندگی میں زندگی ہی کی کمی پاتی ہوں میں
 دیکھتے یوں چھوٹے لیجے دل کے تاروں کو مرے
 آپ کی آنکھیں نگاہوں سے بھی گھبراتی ہوں میں
 زخمِ دل زخمِ جگر کی بات پھر سے چھیرے
 ساز کے دلکش سروں پر اب غزل گاتی ہوں میں
 یہ گراں باری منزل یہ تمنائے حسین
 آپ کی پیہم نوازش کی قسم کھاتی ہوں میں
 زندگی نے کیا دیا ہے مجھ کو اک غم کے سوا
 زندگی میں رنگ بھرنے کے مسکاتی ہوں میں
 میں نے سجدوں پر نہیں رکھا مدارِ زندگی
 زندگی میں بندگی کا راز پا جاتی ہوں میں

دہراؤ نہ آنکھوں سے بھولا ہوا افسانہ
 لیریز نہیں ہوتا ٹوٹا ہوا پیمانہ
 میخانہِ دوراں میں ہر شے ہے ترے ساقی
 اے کاش بھل جاتا میرا دل دیوانہ
 کچھ سوز تو سینے میں اے شمع ترے بھی ہو
 جلنے کو تو ویسے بھی جل جاتا ہے پروانہ
 میخانہِ انساں میں ہے دل کی یہی عظمت
 گہرِ زندِ خرابا تی گہرِ کعبہ و بت خانہ
 خوشیوں سے کہیں بڑھ کر کچھ لذتِ غم بھی ہے
 دیران ہی رہنے دو، میرا دل دیوانہ

ایک احساسِ جوان اور حسین اور جمیل
پارہا ہے مرے دل اور جگر میں تشکیں

نودمیدہ مرے گلشن کی چٹکتی کلیاں
کاش بن جائیں محبت کی حسین تر تمثیل

خونِ دل سے میں لکھوں وعدہ تحریرِ وفا
کاش ارشاد وہ فرمائیں کروں میں تعمیل

فخر حاصل ہے گلستاں کی سعادت کا مجھے
یہ جنوں ہے تو مجھے فرمن ہے اس کی تکمیل

زندگی موت ہے ہر ایک تمنا کا حصول
مجھے منظور نہیں جذبہٴ دل کی تذلیل

کوئی لمحہ تو کہیں زیست کا حاصل بن جائے
کوئی لمحہ تو نکل آئے مسرت کی سبیل

دل کہیں تو رنہ دے شستہ نازک کلا مکند
آپ کرتے ہی رہیں شرحِ وفا کی تاویل

ہم عنادِ دل کہ فقط خاکِ چمن کی خاطر
ہم نے سوچا کہ کریں آپ میں خود کو تحلیل !

زندگی مٹی رہی ہے داستاں کوئی نہیں
ہم نفس کوئی نہیں ہے ہم زباں کوئی نہیں
مہرباں کہیے کسے نامہرباں کس کو کہیں
صورتِ بیداد ہے آرام جاں کوئی نہیں

لمحہ لمحہ میں بہاریں، لمحہ لمحہ میں خزاں
فصلِ گل کچھ بھی نہیں، دورِ خزاں کوئی نہیں

زندگی موجِ بلا ہے زندگی سیلِ طرب
جیسے سب کچھ امتحاں ہے امتحاں کوئی نہیں

آپ سے ہم کو تقاضائے کرم بھی تو نہیں
صرف لگتا ہے کہ دل کا پاسباں کوئی نہیں

شعر کے خاکوں میں رنگِ زندگی بھرنا پڑا
چستانِ شعر کیوں طرزِ بیاں کوئی نہیں

جب بھی چاہا زندگی سے ہم نے اس کا بانی
فاصلے بڑھتے رہے ہیں درمیاں کوئی نہیں

ہم فلک پر اڑ رہے ہیں ذہن کی پرواز میں
فرش کی پہنائیوں میں آشتیاں کوئی نہیں

آپ تحسینِ انجمن ہیں آپ ہی تنہائیاں
حاصلِ غم حاصلِ عمر رواں کوئی نہیں

الچھی ہوئی ہوں کشمکشِ زندگی سے میں
گھبرا رہی ہوں زیست کی تشنہ لہی سے میں

ہر لمحہ حیات مرا مجھ پر بار ہے
بیگانہ ہو چلی ہوں بہت زندگی سے میں

پہلی سی اضطراب میں شدت نہیں رہی
مانوس ہو چلی ہوں غمِ زندگی سے میں

دورِ نشاط باعثِ شرمندگی نہ ہو
خائف ہوں اپنی زیست کی ہر سرخوشی سے میں

تیرے ستم کا مجھ کو نہیں آج بھی گلہ
افسردہ ہوں حیات کی افسردگی سے میں

تھکین ہو چلا ہے دل چاک بھی رنو
تنگ آچکی ہوں روح کی آشفٹگی سے میں

باز آؤنا! جفاؤں سے ستم ہے دیکھو
داغِ دل، داغِ جگر و چہِ کرم ہے دیکھو

تم کئے ہو تو زمانہ ہی چھٹا جاتا ہے
زندگی جیسے کہ وابستہ غم ہے دیکھو

ہر گھڑی رہتے ہو دامنِ یقیں سے بندھ کر
یہ سہارا بھی مرے واسطے کم ہے دیکھو

کوئی چٹا ہی نہیں آج نگاہوں میں کہیں
ورنہ ہر جامِ یہاں ساغرِ جم ہے دیکھو

کہہ دیا تھا کہ فریبِ غم ہستی ہی سہی
میری دنیاے محبت پہ کرم ہے دیکھو

دل کو رونے دو مگر آنکھ نہ روئے تمہیں
یہ محبت ہے محبت کا بھرم ہے دیکھو

ہوسِ گل نہ رہے خواہشِ گلشن نہ ہے
زخمِ ہنس ہنس کے جو اس طرح گلستاں ہو جائے

دل یہ کہتا ہے کہ پا مالِ تمنا ہوں میں
ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر زخمِ نمکدہاں ہو جائے
کم سے کم اتنا تو جینے کا سلیقہ آئے
خود سفینہ مرا ساحل سے گریزاں ہو جائے

عمر بھر ہوش سے بیگانہ رہوں میں ہمدم
گر یہ مشکل ہے تو مشکل نہ یہ آساں ہو جائے

چاند سے آنکھ ملاتے یہ تکلف زاہد
نہ کسی کو ہوسِ پاکی و اماں ہو جائے

عمرِ طبعی کی علامت ہے فقط اتنی سی
شمعِ محفل میں جلے اور فروزاں ہو جائے

اُن پہ مرنے کی ادا سیکھ لی ہم نے تحسین
زندگی یوں کسی افسانے کا عنوان ہو جائے

ہر عشق کے حصّے میں کہاں کوہ کنی ہے
 فرہاد سے پوچھے کوئی کیا تیشہ زنی ہے
 گلشن میں گلوں پر ہے بہاروں کی عنایت
 کانٹوں کا مقدّر ابھی جو ہے سو وہی ہے
 پہلے بھی ہمارے تھے وہ ہم اب بھی ہیں ان کے
 پر آنکھ ابھی مائلِ بے گانہ وشی ہے
 ساغر نے چھلک کر یہ دی سو بار دہائی
 پیتے تو ہواک گونہ ابھی تشنہ لبی ہے
 کچھ رسمِ زمانہ بھی ہے کچھ رسمِ وفا بھی
 کچھ عشق کے دستور میں بیگانہ روی ہے
 ہر عزمِ جواں آج بھی منزل کا نشان ہے
 ہر گام ابھی مرحمتِ تشنہ لبی ہے
 یاں رسمِ جہانگیری بھی ہوتی ہے فقری
 اس دشت کی سیاحی میں ہر رسمِ نئی ہے
 انداز تو ان کے تھے محبت کے سے انداز
 کس کو تھی خبر جذبِ محبت میں کمی ہے
 کچھ یاد تو تحسینِ ستاتی ہے انھیں بھی
 اے جوشِ وفا دیکھ تری بے صبری ہے

تیرا نیازِ عشق بھی کم نہیں نازِ حسن سے
 پھر یہ تغافلِ حزیں ہم پہ ستم سے کم نہیں
 درد نہیں اثر نہیں ربط نہیں فغاں نہیں
 نغمہ جاں گداز یہ سوزِ الم سے کم نہیں
 جلوہ خود سری سہی ان کی جبینِ شوق میں
 اپنا بھی سنگِ آستاں دیرِ حرم سے کم نہیں
 روح کا اضطراب یہ چشم کی یہ فسر دگی
 آج بھی میری خامشی سوزِ الم سے کم نہیں
 آنکھ بھری ہوئی تو ہے اشک رکیں نہ بہہ سکیں
 قطرہ نیم جان یہ نالہ غم سے کم نہیں
 ظلم نہیں ستم نہیں قہر نہیں جفا نہیں
 پھر بھی سکوتِ آرزو تیغِ دودم سے کم نہیں
 آپ جو حسنِ ناز کو کہتے ہیں خود سری سہی
 محسنِ نظر کا بانگِ جاہ و حشم سے کم نہیں

تلخی انجام الفت کے اثر کو بھول جا
 بھول جا اے دل فریب چشم ترکو بھول جا
 لٹ گئی جس راہ میں تیری متاعِ آرزو
 تو بھی اے جوشِ وفا اس رہگذر کو بھول جا

ٹھوکریں کھائے گا کب تک جستجوئے شوق میں
 اے دلِ شوریدہ سر اس فتنہ گر کو بھول جا

جستجوئے شوق تھی جب زندگانی کا ثبات
 بھول سکتی ہو تو اس شام سو کر کو بھول جا

کیا خبر آگے کوئی منزل بھی آئے گی کبھی
 بھول جا اس اپنے بے منزل سفر کو بھول جا

کب تک آخر لذتِ زخمِ جگر کے تذکرے
 بھول جا تیرِ نظر کو چارہ گر کو بھول جا

وہ سہانی صبح وہ نورِ شگوفوں کی چٹک
 کیف کی اس زندگی مختصر کو بھول جا

بن رہے گا آشیاں تحسین نے انداز سے
 ہو سکے تو جلوہٴ برق و شرر کو بھول جا

کون ہے جس نے چھین لی مجھ سے
میرے صبر و قرار کی دُنیا
رنج و غمِ فرقت و الم کے سوا
کچھ نہیں خاکسار کی دُنیا

اک تری یاد کے عوض جو ملے
لوں نہ ہرگز قرار کی دُنیا

داغِ دل ہی ہمیں نصیب رہیں
کون لے لالہ زار کی دُنیا

کس قدر خوش گوار تھے وعدے
عارضی، اعتبار کی دُنیا

دلِ شوریدہ میں سکون کہاں
رہتی ہے انتشار کی دُنیا

کیا کرے کوئی لے کے اے تحسین
اس دلِ زار زار کی دُنیا

ہر دم خیالِ وحشتِ اہلِ خود رہا
 ہم چاک چاک اپنا گریباں نہ کر سکے
 ویسے و فورِ درد سے دل بجھ گیا مگر
 ہم بے خودی شوق کو ارزاں نہ کر سکے
 امیدِ التفات میں عمر رواں گئی
 کشتی سپرد سازشِ طوفاں نہ کر سکے
 اک قصہ الم ہوئی پچھلے پہر کی بات
 آساں درازی شبِ ہجر ال نہ کر سکے
 یوں ہر قدم پہ ٹھو کریں ملتی رہیں مگر
 ہم زندگی کو خواب پریشاں نہ کر سکے
 ملتا رہا وفا سے جفاؤں کا سلسلہ
 ہم خونِ دل کو سُرخا داماں نہ کر سکے
 تحسینِ بغیر غم کے خوشی کا مراں نہ تھی
 خوشیوں سے غم کو ہم بھی گریزاں نہ کر سکے

گھلوں کی بزم میں اہل چین کی آزمائش ہے
 بہر شاخ و شجر دار و رسن کی آزمائش ہے
 لب ساحل نہ ڈوبی کشتی عمر رواں اپنی
 بھنور میں ہمت طوفان شکن کی آزمائش ہے
 اڑانا چاہتا ہے دست گلچیں بھی زرِ گل کو
 خزاں کا دور، چاک پیرہن کی آزمائش ہے
 سراغ جوئے شیر، اب ہے نہ دستِ تیشہ و رسانی
 نہ جانے کیوں ابھی تک کوہن کی آزمائش ہے
 لٹا کر خود کو اس محفل سے تحسین ہم تو لوٹ آئے
 ہمارے بعد اہل انجمن کی آزمائش ہے

اِس گردشِ دوراں میں کتنے افسانے بدل بھی جاتے ہیں
جب بادِ مخالف چلتی ہے دیوانے بدل بھی جاتے ہیں

امید و فاکیا رندوں سے جب دل کے تقاضے تشنہ ہوں
ساقی و صراحی کیا معنی پیمانے بدل بھی جاتے ہیں

بربادِ خزاں میں پنہاں اک انجام بہاراں ہوتا ہے
طوفان کی زد میں آکر غم خانے بدل بھی جاتے ہیں

جب راہِ طلب ہو اور کٹھن کچھ شوقِ طلب بھی بڑھتا ہے
گلشن کی بہاروں کی خاطر دیرانے بدل بھی جاتے ہیں

گم کردہ منزل تیرے لیے اک راہِ تمنّا یہ بھی ہے
کچھ وجہ سکونِ دل بن کر ہنگامے بدل بھی جاتے ہیں

خم گیسو کی طرح اور نہ غم دل کی طرح
ہم نے چاہا ہے تمہیں عمر کے حاصل کی طرح

دل اگر ڈوبے تو تاحش نہیں اٹھے گا
مہ و خورشید کہاں ڈوبیں گے اس دل کی طرح

قدم اٹھتے ہیں تو بے باک ارادوں کی قسم
حادثے سہل ہوئے جاتے ہیں مشکل کی طرح

اب وہ رہبر نہ وہ کشتی نہ وہ ساحل نہ وہ دل
نقش پاؤں نہ رہے تھے کبھی منزل کی طرح

کم سے کم اپنی جفاؤں پہ پشیمان تو ہیں
سامنے میرے وہ آئے تو ہیں قاتل کی طرح

وہ ضیاء تاب نظارے نہ وہ بھگی رہائیں
چاند افسردہ ہے اب ٹوٹے ہوئے دل کی طرح

لاکھ طوفاں ہیں بیابان و نظر میں اب بھی
ہم گلے ان کو نگاہیں ہیں سال کی طرح

باز آئے ہیں ہم اس شیشہ دل سے تھیں
کاش پتھر ہی یہ ہو جائے کسی دل کی طرح

ہر جورِ نار واکے مقابل رہے ہیں ہم
وجہ شکستِ شیوہ قاتل رہے ہیں ہم

ہر راستے پہ ہم ہی رہے میسرِ کارواں
رہبر رہے ہیں ہم کبھی منزل رہے ہیں ہم

ہمیں آج بھی یقین تہیاری نظر میں ہم
ہر دور میں حیات کا حاصل رہے ہیں ہم

مونس نہیں رفیق نہیں ہم زباں نہیں
خود اپنی ایک ذات سے محفل رہے ہیں ہم

کیوں آج ہم سے سارے زمانے کو ہے گلہ
مدت تک نشاطِ غم دل رہے ہیں ہم

بدنام تو نہ ہو، مجھے بٹنے کا غم نہیں
اک عمر تشنہ لب، لبِ ساحل رہے ہیں ہم

وہ زندگی کہ فرصت ہر دو نفس رہی
آپ اپنے ہی وجود سے غافل رہے ہیں ہم

چمکا کئے ہیں بزم میں ذروں کے درمیاں
تاروں کے درمیاں مہِ کامل رہے ہیں ہم

غموں نے چھین لی بڑھ کر خوشی ہر گوشہ دل سے
تو بارغِ عشق میں بن کر بہا رہے خنداں آجا

کھٹک ہر دم تنفس کی پیام مرگ دیتی ہے
سر بالیں مری بن کر حیاتِ جاوداں آجا

غزل جو تو نے چھڑی تھی محبت کے فلسفے کی
ابھی لہز شش ہے تاروں کو لے مرے نغمہ خواں آجا

تمنا، تشنہ لب، رنجور حسرت سوزش پیہم
تو جامِ شوق میں بن کر شرابِ ارغواں آجا

وہ دل گہوارۂ الفت، وہی رشکِ جہاں چوتھا
تسلط ہے خنداں کا اے بہا رہے بوستاں آجا

یہاں ہیں طعنہ زن اکثر نہیں غم کے شناسائی
نہ سمجھیں گے بیاں اپنا تو ہی اے راز داں آجا

وہ ہوس پرستی ہے یہ ہیں دل کے کاشانے
کیا مال دل ہو گا یہ تو بس خدا جانے

وہ پردے کے رکھ لیں یا جذب دامن دل ہوں
ہم تو پیش کرتے ہیں آتش و سن کے نذرانے

وہ تعلق غم بھی تلخ سی حقیقت تھی
مختصر ہوئے خود ہی زندگی کے افسانے

ہم سے پوچھتے کیا ہو شہرِ رش غم ہستی
وحشتوں کے سامان ہیں زندگی کے دیرانے

صورتِ تباہی ہیں ڈھیرِ دل کے ٹکڑوں کے
کس نے ڈھا دیئے ہونگے یہ حسیں صنم خانے

بند ہیں نہ مشرب ہیں اور نہ ساقیِ دوراں
ہم نے بند کر ڈالے انکھڑیوں کے مٹے خانے

ہے گدازِ دل ہی تو درد سے بھرا ہو گا
ضبط سے چھلک اُٹھے آج چند پیراں

حالِ غم ابھی کچھ ہیں میرے پوچھنے والے
گا ہے سکہے ملتے ہیں اب بھی چند دیوانے

کس قدر بھیاںک ہیں وقت کے تقاضے بھی
آج تختیں اپنے بھی لگ رہے ہیں بیگانے

چاندنی رات ہے تاروں کا جہاں ہے اے دوست
زندگی ساحلِ دریا پہ رواں ہے اے دوست

اشکِ شوی کے لئے اب بھی ہیں دامنِ لہزاں
زندگی آج بھی اک خوابِ گراں ہے اے دوست

اب بھی مالِ کس ہیں وابستہ تقدیر ہیں دل
اب بھی اکٹھتا ہوا سینے سے دھواں ہے اے دوست

کتنبے رنگ سے خاکوں میں لہو بھرتی ہوں
دل کی دھڑکن سے مرا رشتہ جاں ہے اے دوست

دل کے داغوں ہی سے تیز ترین گلستان کی ہے
قابلِ دید بہاروں کا سماں ہے اے دوست

جبر کیا چیز ہے بے داد کی قیمت کیا ہے
ذہن آزاد ہے احساں جواں ہے اے دوست

دشتِ تود دشتِ تھا گلشن میں بھی دشت سی ہے
کارواں کو لسی منزل میں رواں ہے اے دوست

یہ نیا سال ہے نکھری ہوئی فکروں کا امیں
یہی سرمایہ یہی گنج گراں ہے اے دوست

آہ جیسے دل کے زخموں کو ہوا دیتی رہی
اور روشن یہ چہرہ رخ رہ گزرا ہوتے گئے

بن کے حسرت رہ گئی آنکھوں میں پھر تنویرِ شوق
بے کہے افسانے خود ہی مختصر ہوتے گئے

دل میں ایسے آہے کہ جزدِ ہستی ہو گئے
پھر نگاہوں میں مری وہ خوب تر ہوتے گئے

داغِ حسرت یوں بے عمر گریز ال سے مجھے
نالہ دل، چشمِ پتہ نم چارہ نگہ ہوتے گئے

جب بھی چاہا آپ نے وجہ توجہ بن سکوں
اور گہرے یہ مرے زخم جگہ ہوتے گئے

رفتہ رفتہ اپنی راہیں یوں الگ سی ہو گئیں
آپ سے ہم، آپ ہم سے بے خبر ہوتے گئے

جب بھی قائل نے لگائی ضربِ کاری ایک اور
اور جینے کے تقاضے معتبر ہوتے گئے

کچھ اس طرح خیال کے تم روبرو رہے
جیسے شباب و شہر کی محفل سچی رہی

تم نے تو زندگی کو کئی بانچیں دیئے
ماہم کھانا حیات کی دو شیرگی رہی

وہ میری کاٹنات پہ چھاتے چلے گئے
ناسور بن کے وقت کی بخیہ گرتی رہی

کیا کیا نہ ملے کئے ہیں شب غم کے مرے
کیا کیا نہ زندہ گی سے مرئی دشمنی رہی

یونہی چراغ آرزو ہنس کر جلا دیا
ان کی نگاہ شوق جو ساغر بنی رہی

بچھتے ہوئے چراغ کہیں کہکشاں رہے
دھندلا سا اک غبار کہیں پاندنی رہی

ساتی ترے کرم سے شکایت نہیں مجھے
تو نے بساط بھر دی مجھے تشنگی رہی

دل کو خبر دے لاکھ دہائی دی یوں مگر
ان کے خیال سے ہمیں وابستگی رہی

زخم حیات بن کے رہے زخم کاٹنات
تھیں سحر سے شام کی تابندگی رہی

جلوے ترے ہوں مجھ کو تری جستجو نہ ہو
راتنی پلا کہ حاجتِ جام و سبب نہ ہو

دل میں ترا خیال ہو آئینہٴ جمیل
تصویر تیری گرچہ مرے ردِ برد نہ ہو

زنگس کی آنکھ بن نہ سکی روحِ عذیب
وہ گل ہی کیا کہ جس میں کوئی رنگ و بو نہ ہو

تشنہ ہر ایک آرزوئے بے ثبات ہے
تکمیل وہ نہیں ہے جہاں تو ہی تو نہ ہو

موجوں کو آپ قربتِ ساحل ہی جانئے
وہ آرزو نہیں جو غمِ آرزو نہ ہو

یہ جبر بھی گوارہ کیس ہے کبھی کبھی
تو تیں وہ سامنے ہوں مگر گفتگو نہ ہو

ہر شمع بجھائی ہے ہر خواب جلایا ہے
حالات نے یوں دل کو ویرانہ بنایا ہے

میں نے تو چھپایا تھا اشکوں کو تبسم میں
دُنیا نے مرے غم کو افسانہ بنایا ہے

احباب بھی اپنے تھے اغیار بھی اپنے تھے
کس کس کو رقیبوں نے بیگانہ بنایا ہے

کچھ دُور چلے ہیں وہ، جو ساتھ کبھی میرے
لوگوں نے کہا ہے کہ دیوانہ بنایا ہے

جیتے ہیں کہ جینا بھی سکتے ہیں عبادت ہے
ورنہ ہمیں اپنوں نے کیا کیا نہ بنایا ہے

تخیل میں ڈھالے ہیں کتنے ہی صنم ہم نے
کعبہ نہیں بناتا تھا بیت خانہ بنایا ہے

ہر شے کو جگہ دی ہے جز گروہِ دُکد ورتا کے
ہم نے دلِ محزوں کو آئینہ بنایا ہے

لوگوں کو شکایت ہے، ہے غمزدہ تہکانہ
گو دُشمن ہے زندانہ، شاہانہ بنایا ہے

ہم نے سوچا تھا بہاروں میں کھلے گا گلشن
زندگانی کی کڑی دھوپ ہے آنکھیں آنکھیں

پھول مرجھائے ہیں منہ بند ہیں ساری کلیاں
خالی خالی ہے یہاں آج بھی دامن دامن

کتنی روش تھایہ سپندوں کا حسین تاج محل
نیند ٹوٹی ہے تو دھندلایا ہے دین دین

کتنے بے باک ارادوں سے اٹھائے تھے قدم
کتنا خسروہ سا ہے آج بہاروں کا چلن

وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے ہرے دیکھے
جیسے اٹھتی گئی ہر چہرے سے چٹکے چٹکے

کتنی خاموش ہے دُنیا مری طوفانوں میں
جیسے چپ چاپ ہوں اصنام، صنم خانوں میں

کیسا سناٹا ہے آہٹ نہ صدا ہے کوئی
رقص کرتے ہیں بگولے بھی تو دیوانوں میں

وہ بہت دُور کہیں جیسے کرن لہرائی
رنگ بھرنے لگا کوئی ترے افسانوں میں

زندگی خار بہ اماں ہے چمن میں اب بھی
قافلے اب بھی بھٹکتے ہیں بیابانوں میں

خوں دل تندر کیا ہم نے چمن کی خاطر
رنگ سب بھر دیئے ہیں آپ کے سیمانوں میں

اب نہیں آتے وہ کیوں سعی کرم کی خاطر
جان دینے کا تھا ارمان بھی پردانوں میں

کون ہے اپنا کون پرایا رشتوں کے تانوں بانوں میں
کس کو کھویا کس کو پایا ان انجانی پہچانوں میں

گلشن گلشن آگ لگی ہے من دامن پھول کھلے ہیں
اوس پتر ہی ہے میرے دل کے سلگے سلگے ارمانوں میں

سوئے سوئے من مندر میں کوئی نہیں آگ لگے
دیر سے کھوئی بیٹھی ہوں میں جانتے کیوں مسکانوں میں

برکھا آئی سادون آیا یگ یگ ملتے، تم نہیں آئے
سو کھ رہی ہیں کلیں ساری کھیں رکھی گلداروں میں

ہم جھم جھم آنکھیاں برسیں جل جل جل ساگر سارے
پیا سے نیماں کھو جلیں تم کو اپنوں میں انجانوں میں

ہولے ہولے کون برے سپنوں کے سنگھاسن پر
چاندنی جیسے چپ چاپ اترے، اگلے اگلے دالالوں میں

جب جب دو دل مل بیٹھے ہیں جگ نے کیا کیا نام دیا ہے
اول اول خاکے کھینچے پھر رنگ بھرا افسانوں میں

کس کی کھیتی کون ہے مٹھیا ترسیں دانے دانے کو
بھوکوں مرتے ہم نے دیکھا کھیتوں میں کھلیانوں میں

ساری محفل روشن روشن سب دیوانے سب پرولنے
تیرا دنیا گھور اندھیرا تختیں بادہ خانوں میں

ہوتی رہی ہے پریشانی پنہاں کبھی کبھی
 اٹھتا ہے دل میں درد کا طوفان کبھی کبھی

بیکساں نہیں رہا تیری فرقت میں دل ملول
 بڑھتی رہی ہے سوزش پنہاں کبھی کبھی

حسنِ خسرو ام یار کا وہ رنگ احاطہ
 ہوتا رہا جمود کا امکاں کبھی کبھی

آتا ہے یاد آج بھی وہ رنگ التفات
 رکھتی ہے اب بھی گردشِ دوراں کبھی کبھی

تو نے یہ کیا کہا مجھے احساسِ غم نہیں
 یونہی پھر کٹ اٹھی ہے رگِ جاں کبھی کبھی

زندگی ساحل پہ موج بیکراں ہوتی گئی
میری عمر مختصر اک داستاں ہوتی گئی

نقشِ آذرِ رفتہ رفتہ اس طرح مٹتے گئے
اور ہر شکلِ بُتِ تارا نہاں ہوتی گئی

ہم بھی اپنے آپ سے ہوتے گئے کچھ بے خبر
مہرباں اُن کی نظرِ ناہریاں ہوتی گئی

نقشِ ہستی بنتے بنتے نقشِ فریادی بنا
خوبصورتِ زندگی سود و زیاں ہوتی گئی

میری تسکینِ دل محزون کہ تشنہ ہی رہی
آپ کی سعی، کرم کر ایٹنگاں ہوتی گئی

اولِ اولِ دل نے ہر نقشِ قدم کی خاک لی
اُن کے کوچے کی زیرِ پھر آسماں ہوتی گئی

شورِ ماتم، محفلِ ہستی میں بڑھتا ہی گیا
آپ کی قاتلِ ادا خوابِ گراں ہوتی گئی

دل کا شوقِ پائمالی اور دونا ہو گیا
بات جب اہلِ وفا کی امتحاں ہوتی گئی

کلبۂ اہذاں میں تحسینِ جل اُٹھے کتنے دیے
یاد جب آ آ کے اُن کی مہماں ہوتی گئی

دل میں کانٹا سا چبھ کے ٹوٹ گیا
”رنگ بن کے بکھر گیا کوئی“

مضطرب میری ان نگاہوں میں
غم و اندوہ بکھر گیا کوئی

اپنا دامن چھڑا کے یوں مجھ سے
مجھ کو برباد کر گیا کوئی

میرے لیے رنگ خواب نہ اروں میں
رنگِ احساس بکھر گیا کوئی

کون جانے کدھر سے آیا تھا
کون جانے کدھر گیا کوئی

شام کے سرمے دھندلکوں میں
جیسے آکر گزر گیا کوئی

میری آنکھوں میں بن گیا کاہل
زلف بن کر سنور گیا کوئی

دل میں آہ بستے ہو انجیاں غیاہوں کی طرح
نقش بن بن کے ابھرتے ہو سوالوں کی طرح

بے رخی کا کوئی اندام ہمیں یوں تو نہ دو
نم نے چاہا ہی نہیں چاہنے والوں کی طرح

ہم نے اُجالی سے ہر غم سے حیاتِ تشنہ
ریت نئے غم کو اُٹھایا ہے جیالوں کی طرح

اُف یہ بے کیف شب و روز یہ جلتے لمحے
شب تاریک میں جیتے ہیں اُجالوں کی طرح

چند یادیں ہی سہی غم کا سرمایہ ہیں
ہم چھپائے ہیں جنہیں سینے میں چھالوں کی طرح

یاد ایسے بھی کبھی آئی کی آئی ہے ہیں
چند لمحات گزارے کئی سالوں کی طرح

زہر گھٹا رہا اخلاص کے پیالوں میں
زہر پیتے رہے اُمرت کے پیالوں کی طرح

کاش آسکتے چھراک بار وہ دنیا میں مری
جن کو چاہا تھا کبھی ہم نے مثالوں کی طرح

کون ہوتا ہے زمانے میں کسی کا تسخیر
سب نے چھوڑا ہے ہمیں بھولنے والوں کی طرح

جرہِ رغزل کے اب آہوں میں جل بھی سکتے ہیں
 یہی فسانے حقیقت میں ڈھل بھی سکتے ہیں

یہاں ہے اب بھی جو منزل کا عزم مستحکم
 یہ لڑ کھڑا غے قدم چھو سنبھل بھی سکتے ہیں

ہمارا عزم ہے خود ایک منزل مقصود
 ہجوم یا کس میں ارماں نکل بھی سکتے ہیں

خزاں نے خاک اٹھائی تو ہے چمن میں مگر
 اسی زمین سے گل پھر نکل بھی سکتے ہیں

وہی ہے دل جو مچل جائے دردِ انساں سے
 کسی کے ناتہ پہ یوں دل مچل بھی سکتے ہیں

ہجوم موج میں ساحل کی جستجو ہو اگر
 نوشتے اپنے مفاد کے ٹل بھی سکتے ہیں

قدم قدم پہ سسکتی جوانیاں ہیں گواہ
 نشاط و غیش میں اور ماں پل بھی سکتے ہیں

خزاں سے پھول اگر منتشر ہوئے کس غم
 چمن کے خار گلوں میں بدل بھی سکتے ہیں

وہی ہیں بر خیز و تحسین اب نہ مانے میں
 جو اوپنچ نیچ پہ راہوں کی چل بھی سکتے ہیں

ابھی تک شور پیہم ہے خسراج زندگی کب تک
نوائے مفلسی ہو گی رہیں درگزی کب تک

تکمر خندہ زن کب تک جس میں خاکساری پر
زین کے ریگزاروں پر فلک کی برہمی کب تک

منور کاخ و الیواں ہیں چہ راغ غمِ مفلس سے
نوائے جانِ مفلس پر دوائے مفلسی کب تک

ابھی تو رنگ لانا ہے جنون رہ نوروی کو
ہمارے آبلہ پائی تمہاری رہنری کب تک

ستارہ صبح کا چمکا و دارِ ظلمت شب سے
سستیِ ظلمتوں کی یہ صدائے جاگنی کب تک

مسل جبرِ طوفاں ہے مسلسل برق و باران ہے
نوائے تند میں ہدم چہ راغ زندگی کب تک

تبسم ریزہ نظروں میں تلاطمِ خیمہ خاموشی
نیازِ بندگی میں بھی تلاشِ سرخوشی کب تک

وفاؤں سے ہمیں اکفت جفاؤں پر تمہیں ایمان
وفا سے جذب پیہم سے تمہاری دشمنی کب تک

چمن والوں نے لوطا ہے چمن کے ذرے ذرے کو
چمن میں لوط کہ آئے گی تختیں زندگی کب تک

کسی بستی کے جب مجھ کو اُجالے یاد آتے ہیں
کلس آنکھوں میں پھر تے ہیں شوالے یاد آتے ہیں

گزارے بہت ہنس ہنس کے میں نے ہنسنے والوں میں
لگے جب ٹھیس دل کو دل کے چھالے یاد آتے ہیں

مجھے وہ چاندنی راتیں کہانی اک سناتی ہیں
خیں وعدوں کے وہ رنگیں حوالے یاد آتے ہیں

نہ وہ دن ہیں نہ وہ راتیں نہ وہ موسم نہ برساتیں
مگر اب بھی مرے سب ملنے والے یاد آتے ہیں

مجھے لگتا ہے نسبت ہے ابھی اُن مرغزاروں سے
وہاں کے جب مناظر دیکھے بھالے یاد آتے ہیں

مرنے کا مجھے غم ہے نہ جینے کی خوشی ہے
 یہ زندگی کس موڑ پہ اب آکے رُکی ہے
 آباد ہے اک درد کی دُنیا مرے دل میں
 کھلتا نہیں کب اور کہاں چوٹ لگی ہے
 اک شخص کہ برسوں کا شناسا جو رہا ہے
 اس شخص کی ہر بات ابھی تک بھی نئی ہے
 دیوانے کا تم نے جو مجھے نام دیا ہے
 اس نام سے دنیا مجھے پہچان رہی ہے
 وہ نقشِ وفا ہم سے مٹائے نہیں جاتے
 آئینہِ ادراک پہ کچھ دھول جمی ہے
 جلتا ہوا لگتا ہے، مجھے اپنا سراپا
 دامنِ محبت میں کہیں آگ لگی ہے
 تھا درد کا رشتہ جو کسی دل سے ہے باقی
 ٹوٹی ہوئی یہ شاخ ابھی تک بھی ہری ہے
 وہ رُت ہے نہ برسات نہ ساون نہ نشیمن،
 لیکن دل دیوانہ کا انداز وہی ہے
 کچھ دیر ابھی دُور کہ ہے مسجدِ گہ شوق

ہر روز ہم پہ ایک قیامت گذر گئی
 یہ زندگی ہماری تو بے موت مر گئی
 ہم چل پڑے تھے حوصلہ دل کے ساتھ ساتھ
 اس حوصلے کی بات بھی جانے کدھر گئی
 رنگت کلی کی پھول کی خوشبو چمن کی بات
 سب تھے اُداس جن پہ ہماری نظر گئی
 ان سے ملیں کہ بات کریں مدعا کہیں
 اس کشمکش میں لذت خوابِ سحر گئی
 ان کے حضور اپنی زبان کھل نہیں سکی
 اک جنبش نگاہ کہ سو کام کر گئی
 ماضی کی سلگی سلگی سی یادوں کے درمیاں
 اک عمرِ جاوداں ہے کہ جیسے ٹھہر گئی
 ہم تجھ سے دور ہو کے ہوئے ہیں قریب تر
 ہر راستے سے ہو کے تری رہ گذر گئی
 تحسین ہم تو آج بھی صحرانورد ہیں
 نادیدہ فصلِ گل ہمیں دیوانہ کر گئی

بہتے رہے آنکھوں سے جو اشکوں کے خزینے
لٹ جائیں گے ارمانوں کے انمول سفینے

بیگانہ اسرار زمانہ تھے جو کل تک
سکھلا دیئے ہم نے انھیں جینے کے قرینے

عنوان یہاں زلیست کے اکثر یہ رہے ہیں
تیتی ہوئی آہیں کہیں جلتے ہوئے سینے

گمبھیر اندھیروں میں، اُجالوں کی طلب میں
راہوں میں گزارے ہیں کئی سال مہینے

منجھدار میں ہوتے ہی ہیں طوفان ہزاروں
ساحل نے ڈبوئے ہیں کئی دل کے سفینے

کیا چیز ہیں ہم بھی یہ بتا دیں گے جہاں کو
دے کر تو ذرا دیکھے یہ دُنیا ہمیں جینے

مستوں میں خرابات کے وہ بات نہیں ہے
میخانے میں دیکھے کوئی ساقی کے قرینے

تحسین بنارکھی ہے کیا آپ نے حالت
جرُتے تھے کبھی آپ کے آنچل میں نگینے

چونکہ نہ تھے فریبِ تخیل سے ہم ابھی
 خود آکے حسرتوں کا وہ طوفاں اٹھا گئے
 سنتے تھے ہم کہ زیستِ غموں ہی کا نام ہے
 رازِ حیاتِ غم میں ترے ہم بھی پا گئے
 احساسِ قربِ دل میں ہوا جلوہ آفریں
 وہ دور ہی سے رازِ محبت بتا گئے

ہم نے قدم قدم پہ کیا خونِ آرزو،
 رازِ وفا میں ہر طرح ہم کام آ گئے
 آتی ہے ہر نفس سے مجھے بوئے خونِ دل
 جلاتے ہوئے وہ شمعِ تمنا بجھا گئے

اللہ رے کار و بارِ محبت کا اختصار
 وہ ایک ہی نگاہ میں اپنا بنا گئے
 بد قسمتی تھی اپنی کہ دامن نہ بھر سکے
 خوشیوں کا وہ تو یوں بھی خزانہ لٹا گئے
 تحسین چارہ گر کی مسیحائی کے ثمار
 بیمارِ غم کو ایک نظر میں جلا گئے